کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے؟

(کیا کتاب و سنت، فقہ اور خلفائے راشدین کے فیصلوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟)

(از جناب مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین)

(۳)

اوپر کتاب و سنت اور فقہا کے اصول سے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں کتاب و سنت کے متفقہ اسلامی احکام ہی کو ماخذ بنا کر ان کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ ان احکام ہی کو اجتہاد کا ہدف بنا کر ان کو تبدیل کر دینا چاہیے۔ اب خلفائے راشدین کے عام طرزِ عمل پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔ جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ زندگی کے بڑے بڑے مسائل ہی میں نہیں بلکہ چھوٹے اور معمولی مسئلوں میں بھی کتاب و سنت کی پیروی ہی پر زور دیتے تھے۔ اور اسی کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ اگر ان کے دو چار فیصلے بظاہر کتاب و سنت کے خلاف نظر آتے ہیں اور جن کو ہمارے جدید مجتہدین اپنے مفروضات کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں تو ان کے بیشمار فیصلے اور ان کی زندگی کا پورا طرزِ عمل اس بات پر شاہد ہے کہ کتاب و سنت کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنے بہت سے کئے ہوئے فیصلے بدل دئیے ہیں۔ اور یہ معمولی باتوں ہی میں نہیں۔ بلکہ وہاں بھی جہاں مسلمانوں کی حیات و زیست کا مسئلہ درپیش تھا۔ انہوں نے یہ تو ضرور کیا کہ کسی حکم کے دو پہلوؤں میں سے ایک پہلو کو ترجیح دی ہے یا کسی حکم کو شرعی مصلحت کے تحت مؤخر کر دیا ہے مگر اس کی ایک مثال بھی نہیں مل سکتی کہ انہوں نے کسی صریح متفق علیہ حکم کو کسی شرعی دلیل کے بغیر محض مصلحت اور ضرورت کے تحت بدل دیا ہو یا موخر ہی کر دیا ہو۔

دارمی نے میمون بن مہران کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا طرزِ عمل ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

اذا ورد علیه الخصم نظر فی	جب ان کے سامنے کوئی اختلافی معاملہ آتا
کتاب الله فان وجد فیه ما	تو اس کا فیصلہ کرنے کے لئے سب سے
یقضی به بینهم قضی بینهم	پہلے کتاب اللہ میں غور کرتے۔ اگر کتاب اللہ
وان لم یکن فی الکتاب و	میں حکم مل جاتا تو اسی کے مطابق فریقین کے درمیان

علم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالك الامر سنۃ قضی بہا فان اعیاہ خرج فسأل المسلمین وقال اتانی کذا وکذا فهل علمتم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی فی ذالك بقضاء فربما اجتمع علیہ النفر کلهم یذکر عن رسول اللہ فیہ قضاءً فیقول ابوبکر الحمد للہ الذی جعل فینا من یحفظ علینا دیننا۔ ۵

فیصلہ کرتے۔ اگر کتاب اللہ میں اس کا کوئی حکم نہ ملتا اور سنتِ نبوی میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کتاب وسنت دونوں میں اس کا کوئی حکم نہ ملتا تو عام مسلمانوں سے دریافت فرماتے تھے کہ اگر تم میں سے کسی کو اس طرح کے معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ کا علم ہو تو بتائے۔ چنانچہ بسا اوقات متعدد آدمی آکر اس بارے میں سنتِ نبوی کی اطلاع دیتے تو آپ فیصلہ کر فرماتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں ایسے آدمی پیدا کر دیئے ہیں جو ہمارے لئے ہمارے دین کو محفوظ کئے ہوئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں ایک عورت آئی جو اپنے پوتے کے ترکہ سے حصہ چاہتی تھی۔ آپ نے اس سے کہا کہ کتاب اللہ میں تیری وراثت کا ذکر نہیں ہے۔ نہ میرے علم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اسوہ ہے جس سے پتہ چلتا کہ آپ نے دادی کو پوتے کے ترکہ سے حصہ دیا ہو تم اس وقت واپس جاؤ۔ میں دوسرے اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں گا، چنانچہ آپ نے عام صحابہ سے اس بارے میں دریافت فرمایا۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کی اطلاع دی کہ آپ نے پوتے کے ترکہ سے دادی کو ۱/۶ میراث دی تھی۔ حضرت صدیقؓ نے دوسرے صحابہ سے پوچھا کہ کسی اور شخص کو بھی اس کا علم ہے۔ محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے مغیرہ بن شعبہ کی تائید کی، تو حضرت صدیق نے اس سنتِ نبوی کے مطابق اس عورت کو میراث دلوائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ کی سرکردگی میں ایک فوج رومیوں کی نقل وحرکت کی نگرانی کیلئے بھیجنا چاہتے تھے کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت صدیقؓ جب خلیفہ ہوئے تھے تو انہوں نے اس فوج

ــــــــــــــ

۵ مفتاح الجنۃ صفحہ ۲۲، دارمی، الرسالہ امام شافعی

کو روانہ کرنا چاہا، عام صحابہ بعض مصالح کے پیشِ نظر اس کے مخالف تھے۔ مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا اور عام صحابہ سے فرمایا کہ جس حکم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نافذ فرما گئے ہیں میں اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ اسی طرح جب آپ نے مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بھی عام صحابہ نے مخالفت کی حتیٰ کہ حضرت فاروق بھی اس میں آپ کے ساتھ نہ تھے۔ انہوں نے آپ کو اس سے باز آنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی پیش کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کلمۂ لا الٰہ پڑھ لیا، اس کی جان اور مال محفوظ ہو گیا مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جن کی نظر اس حکم کے ہر پہلو پر تھی انہوں نے اس دلیل کا جواب اسی دلیل سے یہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ یہ بھی تو فرما دیا ہے کہ الا بحق الاسلام یعنی کلمہ لا الٰہ پڑھنے کے بعد آدمی کا جان و مال ضرور محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اگر اسلام کا کوئی حق ہو گا تو اس کے جان و مال کی حفاظت باقی نہیں رہے گی۔ اور یہاں یہی صورت ہے کہ اسلام کے ایک اہم حق زکوٰۃ کو ہڑپ کر جانا چاہتے ہیں۔

غور فرمائیے کہ ان میں بعض امور مثلاً جنگ وغیرہ ایسے ہیں جن کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف سے اجازت ہے کہ موقع و محل کا جو تقاضہ ہو اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔ مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے محض مشتبہ خطرات و مصالح کی وجہ سے فیصلۂ نبوی کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے بعض فیصلوں کو ان کی روح کو سمجھے بغیر تبدیلیٔ احکام کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے اجتہاد کے بارے میں ان کا عام طرزِ عمل اور ان کی وہ ہدایتیں ملاحظہ ہوں جو وہ مملکتِ اسلامیہ کے امراء کو وقتاً فوقتاً روانہ فرمایا کرتے تھے۔

قاضی شریح کو آپ نے جو ہدایت نامہ بھیجا تھا اس میں سب سے پہلی بات یہ تھی۔

اذا حضرك امر لابد منه	جب تمہارے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش
فانظر ما فی کتاب اللہ فاقض	آئے جس میں رائے دینا ضروری ہو تو سب
به فان لم یکن فیما قضی	سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کرکے
به الرسول صلی اللہ علیه	اس کے مطابق فیصلہ کرو گے۔ کتاب اللہ
وسلم فان لم یکن فیما	میں کوئی حکم نہ ملے تو پھر سنتِ نبوی کے مطابق
قضی به الصالحون وائمة	فیصلہ کرو۔ اگر سنت نبوی بھی خاموش ہو تو
العدل فان لم یکن	صلحاء اور ائمہ عدل نے اس طرح کے معاملہ

فاجتهد برايك[1] میں جو فیصلہ کیا ہو اس کو سامنے رکھو۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر خود اجتہاد کرو۔

اس سے بھی زیادہ مفصل ہدایت آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو روانہ فرمائی تھی۔ جو اس وقت عراق کے امیر تھے۔ یہ ہدایت نامہ اتنا جامع ہے کہ اس سے فقہائے سینکڑوں احکام کا استنباط کیا ہے۔ اس کا کچھ حصہ ہم اوپر نقل کر آئے ہیں ایک بار کچھ لوگ حدیث نبوی کا تذکرہ کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ تذکرہ چھوڑو کتاب اللہ کا ذکر کرو حضرت عمرؓ نے سنا تو بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ احمق حدیث نبوی تو قرآن کی تفسیر ہے اس کو چھوڑنے کو کہتا ہے

ان القران احكم والسنة تفسره، قرآن اصول دیتا ہے اور سنت اس کی تفسیر کرتی ہے

حضرت عمرؓ نے ایک بار فرمایا کہ اگر میں اپنی رائے کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کو رد کر سکتا تو صلح حدیبیہ کے دن رد کر دیتا۔ جب ایک طرف کفار کی قید سے گردن چھڑا کر ابو جندلؓ پابزنجیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر پناہ کی درخواست کی مگر کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور آپؐ انہیں واپس کر رہے تھے، دوسری طرف کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ معاہدہ کے سرنامہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے باسمک اللہم لکھا جائے۔ گو میں اس معاہدے سے متفق نہیں تھا، مگر آپ نے جب یہ فرمایا کہ جب میں راضی ہوں تو تم کو اس کی مخالفت نہ کرنی چاہیے۔ تو پھر میں نے آپ کے ارشاد کے سامنے گردن نیاز جھکا دی[3]

حضرت عمرؓ نے ایک بار دیت کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ دیت مقتول کے قریبی ورثہ میں ملے گی بیوی کو اس میں سے حصہ نہیں ملے گا، لیکن جب ایک صحابی ضحاک بن سفیان نے آپ کو مطلع کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کی دیت سے حصہ دیا تھا تو آپ نے فوراً رجوع کر لیا[4]۔

اسی طرح ایک مرتبہ جنین کے ضائع کر دینے کا مسئلہ سامنے آیا۔ آپ نے لوگوں سے اس بارے میں سنت نبوی دریافت کی۔ ایک صحابی مالک بن نابغہ نے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا کہ میرے دو بیویاں تھیں۔ جن میں ایک حاملہ تھی۔ دوسری بیوی نے کسی بات پر حاملہ بیوی کو ایک چھڑی مار دی۔ جس سے جنین پیٹ میں مر گیا

---

[1] علام الموقعین ج ۱ ص ۹۸ و مفتاح الجنۃ ص ۳۲ [2] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۹۸ [3] مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ ص ۳۳ [4] ایضاً ص ۱۶ و ابوداود۔

جب یہ معاملہ خدمتِ نبوی میں گیا تو آپ نے دوسری بیوی سے اس کا تاوان دلایا۔ حضرت عمرؓ نے جب فیصلہ نبوی سنا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ

ان کدنا نقضی فیہ برأینا[1]	اگر ہم یہ فیصلہ نہ سنتے تو قریب تھا کہ اپنی رائے سے فیصلہ کر ڈالتے

بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابتدائے خلافت میں مجوسیوں پر جزیہ عاید نہیں کیا تھا لیکن جب ان کو علم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر[2] کے مجوسیوں پر جزیہ لگایا تھا تو اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور جزیہ عاید کر دیا۔

اسی طرح غسل جنابت، تکبیر جنازہ اور استلام حجر اسود وغیرہ میں اپنی رائے کے مقابلہ میں سنت نبوی کو ترجیح دی۔ جو لوگ کتاب و سنت سے بے پرواہ ہو کر محض اپنے اجتہاد و قیاس سے دینی مسائل میں رائے دیتے ہیں ان کے بارے میں ان کا ارشاد ہے۔

اصحاب الرای اعداء السنن اعیتھم الاحادیث ان یحفظوھا وتفلتت منھم ان یعوھا واستحیوا حین سئلوا ان یقولوا لا نعلم فعارضوا السنن برأیھم فایاکم وایاھم	اپنی رائے پر عمل کرنے والے سنتوں کے دشمن ہیں۔ وہ احادیث نبوی کی حفاظت سے بھی عاجز رہے اور وہ ان کے احاطہ علم میں بھی نہ آسکیں۔ تو جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا تو ان کو شرم محسوس ہوتی کہ یہ کیسے کہیں کہ ہم کو اس کا علم نہیں۔ اس لئے اٹکل پچو بات کہہ دی۔ یہ بات عام طور پر سنت نبوی کے خلاف ہوتی تو تم اس بات سے بچو اور ان کو بھی اس سے بچنا چاہیے۔

غور کیجئے کہ جس نے زندگی بھر خود ہر معاملہ میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی پیروی کی ہو اور ان کے مقابلہ میں اپنی سینکڑوں رایوں اور اجتہادات کو بدل دیا ہو اور پوری امت کو اس صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کی ہو۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کتنی بڑی جسارت ہے کہ اس کے بعض فیصلے کتاب اللہ

---

[1] ابوداؤد [2] ہجر بحرین کے قریب ایک معروف تجارتی مرکز تھا جس میں یہودی، عیسائی اور مجوسی آباد تھے۔

اور سنّت رسول اللہ کے خلاف ہیں۔

حضرت فاروق رضؓ نے جن معاملات میں کتاب وسنّت کے مقابلہ میں اپنے فیصلے بدلے ہیں وہ محض عقائد و عبادات ہی سے متعلق نہیں ہیں بلکہ وہ زیادہ تر سیاست معیشت اور معاشرت سے متعلق ہیں۔ جن کے بارے میں جدید مجتہدین کا ارشاد ہے کہ زندگی کے یہ شعبے تو خالص دنیاوی یا غیر تعبدی ہیں۔ اس لیے ان میں ہمیں کتاب وسنت کی پیروی ضروری نہیں ہے۔ ان میں کتاب وسنّت کی ہدایات حکم کا درجہ نہیں بلکہ محض مشورہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

بعض اجتہادی مسائل میں بعض صحابہ حضرت عثمانؓ سے اختلاف رکھتے تھے۔ مگر چونکہ وہ ان مسائل کو کتاب وسنّت کے موافق سمجھتے تھے اس لیے ان پر آخر وقت تک عمل کرتے رہے۔

حضرت عثمانؓ اس شخص کو سزا دیتے تھے جو عدت کی حالت میں کسی عورت سے نکاح کر لیتا تھا وہ فرماتے تھے جب قرآن میں عدت کی حالت میں نکاح کی ممانعت آئی ہے تو پھر اس کی مخالفت کرنے والے کو سزا ضرور ملنی چاہیے

حضرت عثمانؓ کی نگاہ اس پہلو پر تھی کہ اگر کتاب وسنّت کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا نہ دی جائے تو پھر اس کے تمام احکام تمسخر بن کر رہ جائیں گے، اگر قرآن کا یہ حکم محض مشورہ کی حیثیت رکھتا تو حضرت عثمانؓ کبھی اس حکم کی خلاف ورزی کرنیوالے کو سزا نہ دیتے۔

ایک بار حج کے موقع پر کسی نے رکن یمانی[1] کو بھی بوسہ دیا حضرت عثمانؓ نے دیکھا تو فرمایا کہ تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ بولا نہیں۔ فرمایا تو پھر آپ ہی کی اقتدا کرو[2]

کتاب وسنّت کے بارے میں حضرت علیؓ کی شدت ضرب المثل ہے۔ ان کا مشہور مقولہ ہے کہ

لو كان الدين بالرای لكان
باطن الخفين احق
بالمسح من ظاهرهما وقد
مسح النبی صلی اللہ علیہ وسلم
علی ظهر خفیه[3]

اگر دین کا دارومدار محض رائے وقیاس پر ہوتا تو پیر کے اوپر کے حصہ کی بجائے نیچے کے حصہ کا مسح کرنا ضروری ہوتا کیونکہ گرد وغبار اور گندگی زیادہ تر نچلے حصہ میں لگتی ہے۔ مگر چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزہ کے اوپر کے حصہ پر مسح کیا ہے۔ اس لیے اوپر ہی کرنا ضروری ہوا

---

[1] صرف حجرِ اسود کے بوسے کا حکم حدیث نبوی میں آیا ہے [2] مسند احمد جلد ا ص ۷۳ [3] ایضاً سنن ابوداود۔

فرماتے تھے کہ اگر کسی حدیثِ نبوی کے الفاظ سے متعدد معنی نکلتے ہوں تو اسی پہلو کو اختیار کرو جو ہدایتِ تقویٰ کے قریب ہو۔

غور کیجئے کہ جو لوگ ادنےٰ ادنےٰ باتوں میں بھی کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔ حتیٰ کہ ان امور میں بھی کتاب و سنّتِ نبوی کی پیروی کرتے تھے۔ جن میں ان کو آزادی دی گئی تھی۔ ان کے بارے میں یہ کہنا کتنی ڈھٹائی کی بات ہوگی کہ انہوں نے اپنے بعض فیصلوں میں قرآن و سنّت کی مقرر کردہ حرام و حلال کی قیود کو بھی توڑ ڈالا ہے۔ ایک طرف ان کی زندگی کا پورا طرزِ عمل ہے دوسری طرف ان بعض فیصلوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ آدمی کی زندگی کے پورے طرزِ عمل کو نظر انداز کرکے اس کی چند باتوں کو توڑ مروڑ کر جب بھی کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے تو ہدایت کے بجائے گمراہی کا راستہ کھلا ہے۔

اگر خلفائے راشدین کا کوئی فیصلہ بظاہر کتاب و سنت کے خلاف نظر آتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی پوری تحقیق کرالی جائے۔ کہ ایسا تو نہیں ہے کہ وہ فیصلہ ان کی طرف غلط منسوب ہوگیا ہے۔ جیسا کہ طلاقِ ثلاثہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کی طرف یہ منسوب ہوگیا ہے کہ سب سے پہلے ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو طلاقِ باین انہی نے قرار دیا۔
حالانکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نفاذ فرمایا تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک حکم کے جتنے پہلو ہوں ان سب کو اور ان کے ساتھ ان مصالح کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے جن کی بنا پر شریعت نے عارضی طور پر کسی حکم کے مقدم یا مؤخر کرنے کی اجازت دی ہے۔ اگر اس حیثیت سے غور کیا جائے گا تو پھر معلوم ہو جائے گا کہ ان کے جتنے فیصلے ہیں وہ کتاب و سنّت کے خلاف نہیں۔ بلکہ ان کے منشا کے عین مطابق ہیں۔ یہ ہمارا قصورِ فہم ہے کہ ہم ان کے فیصلوں کی گہرائیوں تک نہیں پہونچ سکے

مثلاً حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں چوروں کی سزا ملتوی کر دی تھی۔ بظاہر آپ کا یہ فیصلہ حکمِ قرآنی کے صریح خلاف نظر آتا ہے مگر جو لوگ اس میں غور کریں گے ان کو نظر آئے گا کہ جس قحط میں انہوں نے اس حکم کو ملتوی کیا تھا اس میں لوگوں کے فقروفاقہ کا حال یہ تھا کہ درخت کی پتیاں تک کھا جاتے تھے۔ کیا یہ اضطرار کی حالت میں جس میں قرآن نے سؤر اور مردار کھانے کی اجازت دی ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ قطع ید کی

آیت پر عمل کرتے۔ یا اضطرار والی آیت پر کیا ان کا یہ طرزِ عمل قرآن کے خلاف کہا جائے گا۔ یا اس کے منشار کے عین مطابق۔

اب ہم خلفائے راشدین کے ان تمام فیصلوں پر بحث کر کے بتائیں گے کہ ان کے جو فیصلے اس دور کے مجتہدین کو کتاب و سنّت کے خلاف نظر آتے ہیں وہ حقیقتاً ان کے خلاف نہیں بلکہ ان کے منشا کے عین مطابق ہیں۔

بنونضیر، فدک اور خیبر کی زمین اور مؤلفۃ القلوب کی مد کے مسئلے

جن مسائل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں خلفائے راشدین نے کتاب و سنّت کی تصریحات کے خلاف عمل کیا ان میں سے ان دو مسئلوں کا تعلق حضرت صدیق رضؓ کے عہدِ حکومت سے ہے۔ اس لئے انہی مسئلوں سے اس بحث کا آغاز کیا جاتا ہے۔

فدک اور دوسری زمینوں کا مسئلہ

بنونضیر، فدک اور خیبر کی جو زمینیں آپ کی نگرانی میں تھیں ان کی آمدنی کو آپ سامانِ جہاد کی تیاری، مسافروں، مہمانوں اور دوسرے رفاہِ عام کے کاموں کے علاوہ ازواج مطہرات اور اہل بیت کی کفالت میں بھی صرف فرماتے تھے۔ اسی لئے آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات اور اہل بیت نبوی کو خیال پیدا ہوا کہ وہ زمینیں جو آپ کی ذاتی نگرانی میں تھیں ان کو بطور وراثت ملنی چاہئیں۔ مگر جب حضرت عائشہؓ حضرت صدیق رضؓ اور حضرت فاروق رضؓ نے ان کو قرآن و سنّت کی روشنی میں سمجھایا کہ آپ ان زمینوں میں جو تصرف فرماتے تھے وہ ذاتی یا شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ بحیثیت نبی کے فرماتے تھے۔ یعنی آپ کا اس پر قبضہ، قبضہ مالکانہ نہیں بلکہ قبضہ حاکمانہ تھا۔ پھر انبیاء کی یہ سنّت رہی ہے۔ کہ وہ جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، اس میں وراثت نہیں چلتی بلکہ وہ عامۃ المسلمین کا حق ہوتا ہے اس لئے ان زمینوں کو مستقل طور سے کسی خاص گروہ یا افراد کی نگرانی و قبضہ میں نہیں دیا جاسکتا۔ یہ زمینیں اسلامی حکومت کے قبضہ میں رہیں گی۔ البتہ ان سے آپ حضرات کی جو مدد حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتی تھی وہ بدستور جاری رہے گی۔ چنانچہ اس کے بعد ازواج مطہرات اور اہل بیت نبوی کے تمام افراد مطمئن ہوگئے اور ان میں سے بیشتر کے دل میں اس کی ملکیت کا کوئی خیال باقی نہیں رہا۔

اس مسئلہ کے سلسلہ میں حضرت صدیق رضؓ اور حضرت فاروق رضؓ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ قرآن و سنّت کے

خلاف نہیں بلکہ ان کے منشاء کے عین مطابق تھا اور اس پر یہی نہیں کہ تمام اہلسنت کا اتفاق ہے بلکہ حق پسند شیعہ آئمہ اور علمائے بھی اس کی تصویب و تائید کی ہے۔

اس مسئلہ کی اس سے زیادہ تفصیل اس لئے نہیں کی گئی ہے کہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے بلکہ اس پر مستقل کتابیں موجود ہیں۔

مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ قرآن میں زکوٰۃ کے مستحق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں۔ انہی میں ایک مولفۃ القلوب بھی ہیں۔ یہ مسلمان بھی ہو سکتے ہیں اور غیر مسلم بھی، مسلمانوں میں وہ سب اس میں شامل ہو سکتے ہیں جنہوں نے جلد ہی اسلام قبول کیا ہو مگر ان کا دل ابھی تک اس پر اچھی طرح جما نہ ہو۔ یا تنگ حالی کی وجہ سے ان کا ایمان متزلزل ہو رہا ہو۔ یا ان کے ذریعہ اسلام کا کوئی بڑا کام انجام پا سکتا ہو۔ ایسے تمام لوگوں کی تالیف قلب اور تسلی کے لئے مدِ زکوٰۃ سے مدد کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں میں جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں اور ان کی مالی امداد ان کے مزید میلان کا سبب ہو سکتی ہو تو ان کی بھی امداد زکوٰۃ کی رقم سے کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح ان کے شر سے مسلمانوں کو بچانا ہو تو اس وقت بھی ان کو مالی مدد دے کر مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن ایسے ہی تقریباً ۳۰-۳۲ ممتاز مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مالِ غنیمت سے مدد کی تھی تاکہ اسلام کے خلاف ان کی زبان اور تگ و دو بند ہو جائے۔ مگر حضرت صدیقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عمرؓ کے مشورہ سے مؤلفۃ القلوب کی مدد بند کر دی۔ جس پر عام صحابہ نے بھی کوئی اختلاف نہیں کیا۔

حضرت صدیقؓ کے اس طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جس طرح انہوں نے قرآن اور سنت کے ایک متفقہ اور ثابت شدہ حکم میں تبدیلی کی۔ اسی طرح مسلمانوں کی ہر حکومت کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اگر ضرورت سمجھے تو کسی بھی اسلامی حکم کو منسوخ یا اس میں ترمیم و تبدیلی کر سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں تھوڑا سا خلط مبحث ہو گیا ہے۔ جس کی بنا پر یہ مسئلہ الجھ بھی گیا ہے اور قابلِ اعتراض بھی بن گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے بعد مولفۃ القلوب کی جو عارضی مدد کی تھی، اس کو قرآن کے مستقل مصرف زکوٰۃ کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤلفۃ القلوب کی جو کچھ مدد فرمائی تھی وہ زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس سے ہے۔ یعنی مالِ غنیمت کے اس حصہ سے جس میں خداؑ نے آپ کو

اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے یہ اختیار دیا تھا کہ آپ اپنی صوابدید سے جس کارِ خیر میں چاہیں صرف کریں۔ چنانچہ آپ نے ضرورت سمجھی اسی لیئے اس مد سے ان کی مدد کی۔ اور آپ کی وفات کے بعد یہ اختیار اور حق آپ کے جانشین اور اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت صدیق و فاروق کو منتقل ہوا۔ اور انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی، اس لیئے وہ مدد بند کر دی۔ بہرحال حضرت صدیق رضؓ نے جن مؤلفۃ القلوب کی مدد بند کی تھی وہ انہی کی جن کی آپ نے غزوہ حنین میں خمس سے مدد کی تھی۔ قرآن کے بیان کردہ مصرف سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ کہیں سے ثابت ہے کہ آپ نے اس مصرف کو قیامت تک کے لیئے ختم کر دیا ہو۔

پھر اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں جس میں ۴۰-۴۲ آدمیوں کی مدد کی تھی۔ ان میں سے کسی کو نہ تو دوبارہ آپ نے مدد دی اور نہ ان کی مدد جاری رکھنے کی تاکید فرمائی اور نہ خود ان لوگوں نے دوبارہ مدد طلب کرنے کی کوشش کی۔ ان میں دو مسلمان اقرع بن حابس و عیینہ بن حصین ایسے تھے جنہوں نے اس کو اپنا عین حیاتی حق سمجھ لیا تھا۔ اور بار بار اس حیثیت سے مدد لینے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ ایک وقتی مصلحت[1] اور ہنگامی ضرورت کے تحت مدد دی گئی تھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو محض منقولہ اموال سونا چاندی اور جانوروں کی شکل میں مدد دی تھی۔ اور اب انہوں نے غیر منقولہ جائدادوں کا مطالبہ بھی شروع کر دیا تھا۔

غرض یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو حالات تھے ان کے پیشِ نظر آپ نے خمس سے ان کو مدد دینا ہی مناسب سمجھا، اور حضرت صدیق رضؓ کے سامنے جو صورتِ حال تھی، اس کے پیشِ نظر مدد بند کر دینا ہی انہوں نے مناسب سمجھا، اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ عمل

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) یا مجموعہ غنائم سے۔ مگر اس میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ مدد زکوٰۃ کی رقم سے نہیں دی گئی تھی [2] سورۂ انفال کی ابتدائی آیتوں پھر اس سورہ کے چوتھے رکوع اور سورۂ حشر میں اس کی تفصیل موجود ہے انشاء اللہ تعالیٰ آگے ان کا مفصل ذکر بھی آئے گا۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] اس وقتی مصلحت کی طرف خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تقریر میں اشارہ فرمایا ہے جو آپ نے انصار کے سامنے فرمائی تھی۔ اور حضرت فاروق رضؓ کی اس گفتگو سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جو آپ نے ان دونوں صاحبوں کے سامنے فرمائی تھی۔

فرمایا بحیثیت نبی آپ کو خدا کی طرف سے اس کی اجازت تھی اور حضرت صدیقؓ نے جو روش اختیار کی بحیثیت جانشین نبی ان کو بھی خدا کی طرف سے اس کی اجازت تھی۔ بہر حال ان میں سے کسی طرزِ عمل کا تعلق قرآن کے بیان کردہ مصرف سے نہیں ہے۔ اور وہ قیامت تک اسی طرح باقی رہے گا
اوپر ذکر آ چکا ہے کہ قرآن کے مقرر کردہ مصرف مؤلفۃ القلوب اور خمس سے جن لوگوں کو تالیفِ قلب کے طور پر عارضی مدد دی گئی تھی، ان دونوں کے آپس میں خلط ملط ہو جانے کی وجہ سے یہ مسئلہ الجھ گیا ہے اور اسی کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ حضرت صدیقؓ و فاروقؓ نے قرآن کے ایک صریح حکم میں تبدیلی کی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ غلط مبحث کیسے ہوا اور یہ غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوئی۔ اس کا بظاہر ایک ہی سبب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ والی آیت میں جہاں مولفۃ القلوب کا ذکر ہے۔ اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کو پیش فرما دیا ہے۔ جو آپ نے غزوہ حنین میں اختیار فرمایا تھا۔ اسی تفسیر کی بنا پر عام طور پر لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو اس آیت کی تفسیر سمجھ لیا۔ اور حضرت صدیقؓ نے چونکہ اس کے خلاف طرزِ عمل اختیار فرمایا اس لئے اس کو کتاب وسنت کے خلاف سمجھ لیا۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل اور حضرت صدیقؓ کی روش دونوں کا تعلق خمس سے تھا، زکوٰۃ سے ان کا تعلق سرے سے تھا ہی نہیں۔ چنانچہ امام رازی کی نکتہ رس نگاہ اس غلط مبحث اور تسامح کی طرف گئی اور انہوں نے واضح الفاظ میں لکھا۔

ھذہ العطایا انما کانت یوم	یہ عطیے جو حنین کے دن آپ نے دیئے
حنین ولا تعلق لھا بالصدقات	تھے۔ ان کا تعلق زکوٰۃ سے قطعی نہیں
ولا ادری لای سبب ذکر ابن عباس	ہے۔ نہیں معلوم کہ کس وجہ سے حضرت
رضی اللہ عنھما ھذہ القصۃ فی	ابنِ عباسؓ نے اس قصہ کو اس آیت کی تفسیر
تفسیر ھذہ الآیۃ	میں ذکر کیا۔

غالباً حضرت ابن عباسؓ نے موقع محل کی تفہیم کے لئے غزوہ حنین کی مثال دے دی تھی تاکہ آسانی سے ذہن میں یہ بات آ جائے کہ کون سا موقع و محل ایسا ہے جس میں مدِ زکوٰۃ سے مولفۃ القلوب